محمد نعیم

شعبہ اردو، سرگودھا یونیورسٹی،سرگودھا

”ابن الوقت“ پر تنقید کا تجزیاتی مطالعہ

Muhammad Naeem

Departmnet of Urdu, Sargodha University, Sargodha

Analyzing Study of the criticism of Urdu novel *"Ibn-ul-Waqt"*

This article attempts to analyze the criticism of Urdu novel *Ibn-ul-Waqt*. I have revisited the ideological assumptions of critics of Nazeer Ahmad's much discussed novel. The inadequacy of the so called realist criticism follows directly from the narrow and partial view of historical criticism to which it is committed by virtue of its academic background. The theoretical background of this criticism has been explored here. The argument presented here is that the critics of this novel studied it as history, as social document and as an account of Aligarh's pioneers' life history, instead of studying it as a novel. They took little notice of the novel and the artistic faculties of Nazeer Ahmad and referred to the historical situation prevalent at his time and dwelt more on his ambivalent relation with Sir Syed Ahmad Khan and his movement.

نذیر احمد کے ناول ابن الوقت (۱۸۸۸ء) پر اُردو تنقید نے سر سید احمد خان کے تناظر میں غور کیا ہے، جس کی اوّلین خبر سر سید کے صاحب زادے سید محمود نے دی تھی، کہ اس ناول میں ان کے والد کا خاکہ اُڑایا گیا ہے۔ اللہ دے اور بندہ لے۔ بس پھر کیا تھا، اُردو ناقدین کے ہاتھ میں سرا آ گیا اور بیشتر ناقدوں نے تنقیدی مضامین کا تانا بانا اسی ایک خیال کے گرد بُن دیا کہ ڈپٹی صاحب نے سر سید اور ان کے نقطۂ نظر کو مذمت کا نشانہ بنایا ہے۔ اس ضمن میں نقادوں نے خیال کے توتا مینا اُڑاتے ہوئے مختلف توجیہات پیش کیں۔ ایک بزرگ نے اسے نذیر احمد کی قدامت پسندی گردانا (۱)، تو دوسرے نے اسے سر سید سے نذیر احمد کے جذبۂ رقابت کا نتیجہ قرار دیا (۲)۔ ایک صاحب نے اسے سر سید کے نظریۂ تعلیم کی مخالفت قرار دیا (۳) تو دوسرے نے اس ناول کی تعبیر کرتے ہوئے ڈپٹی صاحب کو سائنسی اور مادی ترقیوں سے بے نیاز قرار دے دیا (۴)۔ ایسی تمام تنقیدی تعبیروں کی بنیاد چند مفروضے ہیں۔ اس مختصر مطالعے میں ہم انہی مفروضات کا جائزہ لیتے ہوئے واضح کریں گے کہ یہ تمام ناول کی تنقید سے زیادہ معاون علوم سے علاقہ رکھتے ہیں اور ان مفروضات کی بنا پر کی گئی تنقید علی گڑھ تحریک کے

مختلف افراد کے باہمی تعلقات کا بہی کھاتہ تو ہو سکتی ہے مگر اسے ادبی تنقید کہنا شاید درست نہ ہو۔

ادبی تنقید کا بنیادی سروکار ادب پارے سے ہوتا ہے۔اس کی تخلیق میں سرگرم شخصیت اور اس پر اثر انداز ہونے والے سماجی عوامل، ادبی فن پارے کی تفہیم کی راہیں تو آسان کرتے ہیں، مگر ادبی فن پارے کی تحسین میں ان کی حیثیت معاون کی ہوتی ہے۔ایسی تنقید جو سماجی یا نفسیاتی عوامل کو مرکز میں جگہ دے اور ادب پارے کو پس منظر کے طور پر استعمال کرے، اسے ادبی تنقید کہنے میں تامّل ہے۔اردو میں ایسے مطالعے عموماً سامنے کی تاریخی معلومات سے زیادہ سروکار رکھتے ہیں اور معروف یا مقبول تاریخی تعبیروں پر اپنی بحث مرکوز رکھتے ہیں۔ادب کے انتقادی مطالعے میں اوّل تا آخر مرکزی حیثیت ادب کو دی جاتی ہے۔معاون علوم سے استفادہ نقاد کے ذہنی افق کو وسیع کرتا ہے، لیکن اس وسعت کی پنہائیوں میں گم ہو کر اپنی راہ کھوٹی کر بیٹھنا دانائی کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

ابن الوقت پر لکھی گئی تنقید ایسے ہی معاون علوم بلکہ اگر زیادہ احتیاط برتی جائے تو معلومات کی بھول بھلیوں میں کھو کر رہ گئی ہے۔ اُوپر درج کیے گئے نقادوں کے بیانات یہ واضح کرتے ہیں کہ ان کے اس ناول سے مطالبات، سوانحی یا تاریخی تھے۔ڈپٹی صاحب کا سرسید سے متاثر ہونا، ان سے نظری اختلاف رکھنا یا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں شرکت کرنا، نذیر احمد کے ذہن کو سمجھنے میں مددگار رہے۔لیکن ان کے ناول پر تنقید لکھتے ہوئے اپنے مضمون کا بیشتر حصہ سرسید اور نذیر احمد کے تعلقات کے بیان کی نذر کر دینا ناول کی تنقید کی ذیل میں شمار نہیں ہوگا۔اس طرزِ تحریر کی کم مائیگی یہ ہے کہ یہ ادب پارے سے صرفِ نظر کرتی ہے اور اپنی توجہ ذیلی مسائل، جیسے مصنف کی شخصیت، ذہنی صورتِ حال، اس کی زندگی اور معاصرین سے اس کے تعلقات اور سماجی زندگی کے منظر نامے پر صفحے کے صفحے سیاہ کیے جاتی ہے۔

ابن الوقت پر ہونے والی تنقید اس حوالے سے خصوصاً غیر اہم مباحثوں کا شکار نظر آتی ہے۔ان مباحثوں کے عقب میں یہ مفروضہ کام کر رہا ہے کہ ناول مصنف کی ذاتی زندگی سے براہِ راست اثرات قبول کرتا ہے۔اس نقطہ نظر کے تحت جب کسی ناول کا جائزہ لیا جائے گا تو تنقیدی تعبیر محدود ہوگی یا تعصّبات کا شکار۔جیسے زیرِ مطالعہ ناول پر ہونے والی تنقید سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔اس ناول کے ناقد جب اسے سرسید اور نذیر احمد کی ذاتی زندگی اور ان کے تعلقات کی روشنی میں دیکھتے ہیں، تو مضمون بعض اوقات کسی ایک شخص کی حمایت کا اعلان نامہ اور بعض اوقات دوسرے کی مخالفت کا شاخسانہ بن کر رہ جاتا ہے۔بزرگ نقاد ناول پر بات کرنے کے بجائے، مصنف کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور نذیر احمد کو سرسید سے رقابت کا مجرم قرار دے دیتے ہیں۔

سہیل بخاری نے اس ذیل میں لکھا ہے کہ ہندوستانیوں کی انگریز دشمنی کا وہ عام جذبہ، جس میں مولانا کے مذہبی ماحول کو بڑی حد تک دخل ہونا چاہیے تھا، وہ انہیں ملنے والی تعلیم، ملازمت اور اعزازات کے سبب، محض انگریزی معاشرت کی مخالفت تک محدود ہو گیا اور ابن الوقت کے پردے میں سرسید پر برس پڑا۔ (۵) ان کے علاوہ عبدالسلام صاحب کا ذہن بھی ابن الوقت سے سرسید اور حجۃ الاسلام سے نذیر احمد کی طرف منتقل ہوتا ہے۔وہ ناول پر اپنے مضمون میں سرسید اور ابن الوقت کے کردار میں مماثلتیں تلاش کر کے بہ تفصیل لکھ دیتے ہیں اور اگلے جملے میں یہ بیان دینے سے بھی گریز نہیں کرتے کہ ''نذیر احمد نے یہ ناول سرسید کے سوانح حیات بیان کرنے کے لیے نہیں لکھا بلکہ وہ اس کے ذریعہ سے ایک سیلاب کو روکنا چاہتے تھے۔'' (۶)

نقادوں کا دوسرا گروہ نذیر احمد اور سرسید کے قریبی تعلقات کی نشاندہی کر کے ثابت کرتا ہے کہ ناول سرسید کی مخالفت میں نہیں لکھا گیا۔افتخار احمد صدیقی ابن الوقت پر اپنے مضمون کے چودہ میں سے نو صفحات، سرسید اور نذیر احمد کی قربت اور اچھے تعلقات کے ثبوت بہم

پہنچانے پر صرف کر دیتے ہیں، اس ضمن میں وہ نذیر احمد کے سرسید اور علی گڑھ تحریک کے لیے نرم گوشے کی مختلف مثالیں پیش کرتے ہیں۔ جن میں سرسید کی خواہش پر نذیر احمد کا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں شریک ہونا وہ بطورِ خاص بیان کرتے ہیں۔ نذیر احمد کی سرسید مخالفت کا جواب وہ یوں دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ سرسید کی بڑھتی ہوئی مخالفت کے پیش نظر ''ان کی سیاسی قیادت کو منوانے کا مناسب طریقہ یہی تھا کہ ان کی اجتہادی لغزشوں کا کُھلا اعتراف کیا جائے۔ چنانچہ نذیر احمد نے ابن الوقت میں سرسید کے سیاسی مسلک کی تعریف اور ان کی انتہا پسندی پر نکتہ چینی کی ہے۔''(۷)

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ نذیر احمد اور سرسید کی مخالفت کے بیان کا معاملہ ہو یا ان کی موانست کے ثبوت کا، ایسی بیشتر تنقیدی تحریریں سید محمود کے اس اوّلین اشارے سے باہر نہیں نکل پائیں کہ ابن الوقت میں ان کے والد کا خاکہ اُڑایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بزرگ ناول کو سوانحی بیانیے سے آگے جا کر دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ علی عباس حسینی ناول کے کردار حجۃ الاسلام میں نذیر احمد کی شخصیت کی عکاسی تلاش کر لیتے ہیں۔(۸) یہی کام فوزیہ مقبول نے اپنے مقالے ''اُردو میں سوانحی ناول'' میں کیا ہے۔(۹) ایسی تمام تنقید سہل پسندی اور ناول کے فنی وسائل سے بے اعتنائی کا نتیجہ ہے۔ سہل پسندی ان معنوں میں کہ سوانحی اور تاریخی مواد کی وافر فراہمی کے نتیجے میں ناول کی تعبیر پیش کرنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔ جیسے افتخار احمد صدیقی نے اپنے مضمون میں سرسید احمد خان اور نذیر احمد کے نقطۂ نظر کا فرق دکھا کر مثال بہ مثال اس ناول کے مختلف واقعات اور جملوں کی تعبیر کرنے کی کوشش کے دوران کیا ہے۔(۱۰)

اس تنقیدی سرمائے کی کم مائیگی یہ ہے کہ اس کا زیادہ تر سروکار ناول نگار کے سوانح اور اس کے سرسید اور علی گڑھ تحریک کے نقطۂ نظر سے اشتراک یا اختلاف بیان کرنے سے رہا ہے۔ ناول بطور فن ایسی تنقید میں اوّل تو جگہ نہیں پاتا، اگر کہیں ناول پر بات بھی ہو تو محض حاشیہ آرائی کے طور پر دو چار جملے لکھ کر بات بھگتا دی جاتی ہے۔ ان بزرگوں کی زیادہ تر گفت گو نذیر احمد کے مذہبی اور تمدنی خیالات پیش کرنے سے رہتی ہے۔ یہ بزرگ نذیر احمد اور سرسید کے نظریات کا تقابل تو پیش کر دیتے ہیں، لیکن ناول کی طرف آنے سے گریز کرتے ہیں۔ ناول کی بجائے ناول میں پیش کردہ خیالات کو ناول سے باہر موجود دانشورانہ فضا کے ساتھ ملا کر ایک تمدنی اور مذہبی فضا کی صورت گری اور تجزیے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ناول محض خیالات ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔ ان مضامین میں سرسید کے علم الکلام پر تو پورا پورا صفحہ مل جاتا ہے، تاہم نذیر احمد کی ناولانہ پیش کش اور بیانیے کی صفات پر ایک پیراگراف بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ ان مضامین کا بیشتر حصہ سرسید احمد خان اور نذیر احمد کے تخالف آمیز (Ambivalent) تعلق کو، جس میں بعض معاملات میں دونوں کے مابین اشتراک ہے اور بعض میں مخالفت، بیان کرنے میں صرف ہوا ہے۔

ناقد جب تنقیدی مفروضے بیان کر کے ناول کے تجزیے کے لیے نظری بنیاد مہیا کرتے ہیں، تو ان کی تقلیدی روش کُھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ ناول پر ہماری بیسویں صدی کی بیشتر تنقید ماخوذ ہے، جس میں فورسٹر کے تصورات کا غلبہ رہا ہے۔ فورسٹر نے کردار نگاری کی بابت اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ناولانہ کرداروں کو Flat اور Round کردار میں تقسیم کیا ہے۔ نقادوں کے ہاتھ ناول کی گرہیں کھولنے کا ایک اور وسیلہ آ گیا۔ بزرگ اس تصور کو، کہ بہتر ناول وہ ہے جس کے کرداروں میں ایک ارتقا موجود ہو، لے اُڑے۔ بس پھر نذیر احمد کی شامت آئی کہ ان کے کردار Flat یا یک رُخے ہیں ان میں زندگی نہیں ہے، یہ شیطان ہیں یا فرشتہ، ان میں ارتقا نظر نہیں آتا وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو یہ ایک اضافی (Relative) اصول ہے، جو ایسے ناولوں کے مطالعے میں کسی حد تک معاون ہو سکتا ہے، جن میں کرداروں کی زندگی

کے بیشتر ادوار، مثلاً بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک کا تذکرہ موجود ہو۔ایسے کرداروں میں تو تبدیلی نظر آئے گی اب اگر کوئی ناول محض دو برس کے دورانیے کا بیانیہ ہو تو اس کے کرداروں میں ''ارتقا'' تلاش کرنا عبث ہے۔لیکن فورسٹر صاحب تو غلط ہو نہیں سکتے،اس لیے فسانہ آزاد جو محض دو چار برسوں کے واقعات بیان کرتا ہے،اس کی مذمت ہر حال میں اُردو نقادوں کا شیوہ ٹھہری۔کیوں کہ یہاں کرداروں میں جوہری تبدیلی نظر نہیں آتی۔کردار جیسے آغاز میں ہیں انجام تک ویسے ہی رہتے ہیں۔اب سمجھ میں نہیں آتا کہ دو چار برسوں میں ہم کردار سے کس تبدیلی کے متقاضی ہیں۔

ابن الوقت کے حوالے سے دیکھیں تو یہاں ہمارے نقاد عجب تضادات کا شکار ہیں۔ایک طرف تو نذیر احمد مطعون ٹھہرتے ہیں کہ ان کے کردار یک رُخے ہیں اور حیرت افزا بات یہ ہے کہ اسی سانس میں نقاد اس ناول کی ارتقائی بناوٹ پر رطب اللسانی کرتے نظر آتے ہیں۔عبدالسلام صاحب بیان کرتے ہیں کہ ابن الوقت میں جاندار کرداروں کی بجائے بے جان ڈھانچے نظر آتے ہیں،جنھیں نذیر احمد انگلی پکڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ان کرداروں میں فطری ارتقا نہیں، یہ مشینی اور اسمِ بامسمّٰی ہیں۔اس بنا پر وہ نذیر احمد کو کردار نگاری سے ناواقف قرار دیتے ہیں۔لطف یہ کہ ایک صفحے بعد وہ ابن الوقت کے کردار پر بات کرتے ہوئے نذیر احمد کی کردار نگاری کی تعریف بھی کر دیتے ہیں۔(۱۱) ایسے واضح تضادات اُن ناقدوں کی تحریر کا بنیادی جز و ہوتے ہیں،جو علم کو عقیدے کے طور پر قبول کرتے ہیں اور تنقیدی آرا کو فارمولا بنا کر بلا سوچے سمجھے اردو ناولوں کا تیا پانچہ کرنے لگتے ہیں۔سلیم اختر ابن الوقت کا جائزہ لیتے ہوئے اسے نذیر احمد کا نمائندہ ناول قرار دیتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ نذیر احمد کی مقصدیت انہیں لے بیٹھی،ان میں بصیرت محدود تھی،اس لیے انہوں نے ہنگامی نوعیت کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔وہ بھی نذیر احمد کے ٹائپ کرداروں پر برہمی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی وجہ وہ نذیر احمد کی نفسیات سے ناواقفیت بتاتے ہیں۔حالت یہ کہ اگر ابن الوقت کے کردار میں انہیں تحرک اور ارتقا دکھائی پڑتا ہے،تو وہ اسے نذیر احمد کی غفلت کا سبب قرار دیتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ''ابن الوقت ایک جامد کے برعکس متحرک کردار بن گیا ہے۔'' جس کی وجہ یہ کہ نذیر احمد نے ''اصغری یا نصوح کی مانند اسے بنانے سنوارنے کی کوشش نہیں کی۔''(۱۲) گویا ابن الوقت کا کردار نذیر احمد کی ''فنکارانہ نظروں'' سے بال بال بچ گیا اور خود بخود ایک ''متحرک'' کردار کی صورت سامنے آ گیا۔جس میں نذیر احمد کا کوئی ''قصور'' نہیں۔ویسے ان بزرگ سے یہ پوچھنا چاہیے کہ اگر کردار نگاری کے لیے نفسیات ہی کامیابی کا ذریعہ ہے تو فرائیڈ اور ژُنگ نے کتنے کامیاب کردار تخلیق کیے ہیں اور ایڈلر اور لاکاں ناول نگار کیوں نہ ہوئے؟ ان کے علاوہ محمد احسن فاروقی صاحب نذیر احمد کے ناولوں کو تمثیلی قصے کہنے پر بضد ہیں۔اس بنا پر وہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نذیر احمد کے کردار ''تمثیلی مجسمے'' ہیں۔(۱۳)

ایسا نہیں ہے کہ ہر نقاد نے ابن الوقت کی تفہیم میں علی گڑھ تحریک سے ہی سروکار رکھا ہو،انیس ناگی مذکورہ نقادوں کے برعکس ابن الوقت کا بطور ناول مطالعہ کرتے ہوئے نذیر احمد کی کردار نگاری کی تعریف کرتے ہیں۔جس کی وضاحت میں وہ نذیر احمد کے کرداروں کی انفرادیت اور انہیں پیش کرنے کے لیے نذیر احمد کی جانب سے کی گئی فنی کوششوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ان کی کوشش نذیر احمد کی ناولانہ پیش کش کو نمایاں کر کے سامنے لانے میں رہتی ہے۔(۱۴)

ابن الوقت کے کردار کو یک رخا کردار قرار دینے والے ناقدین،اس کی تبدیلیِ وضع کو مغرب کی کورانہ تقلید قرار دیتے ہیں۔ایسے لکھنے والوں میں حامد حسن قادری (۱۵)،ڈاکٹر محمد صادق (۱۶)،مجنوں گورکھ پوری (۱۷) اور سید عبداللہ (۱۸) شامل ہیں۔حالانکہ اگر ناول میں ابن الوقت کے معمولات اور اس کی اٹھان پر نظر کر لی جاتی،تو یہ واضح ہو جاتا کہ اس کا تبدیلیِ وضع کا فیصلہ شعوری تھا۔جیسا کہ انیس ناگی (۱۹)

اور محمد ذاکر [۲۰] نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ تبدیلیٔ وضع ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا، جس کی دلیل ابن الوقت کی متلون مزاجی اور پُر تجسس شخصیت سے دی جا سکتی ہے۔ ایک ایسی شخصیت جو طالب علمی کے زمانے سے ہی تاریخ اور جغرافیے سے دلچسپی رکھنے کے علاوہ، عقاید اور تصورات کو آنکنے کی جدوجہد کرتی دکھائی دیتی ہے۔ انیس ناگی کے خیال میں ''تبدیلیٔ وضع اعلیٰ تمدن، بالغ نظری اور حکام کا نقطۂ نظر سمجھنے کا ساتواں در تھا''۔ [۲۱] ابن الوقت کی مسٹر نوبل کے ہاں دعوت کے بعد کی گئی تقریر بھی اس کے دانشورانہ ذہن کی عکاس ہے۔ یہ الگ بات کہ اس میں بعض جگہوں پر بالواسطہ انداز میں غدر کا الزام ہندوؤں کے سر دھرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم ابن الوقت غدر کے اسباب پر جو سیر حاصل گفت گو کرتا ہے، جس میں یہ نکتہ کہ انگریزوں کا نامانوس مذہب اور عوام سے بے گانگی، ان کے خلاف عوامی نفرت کا سبب بنا، اس کی سطح پر نہ صرف اس ساری صورتحال کو سمجھنے کی کوشش ہے، جو ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستانیوں کو درپیش تھی، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس میں مقامی نقطۂ نظر بھی انگریزی نقطۂ نظر کے بالمقابل جگہ پاتا ہے۔ وہ نوبل صاحب کے اس دعوے کا، کہ ہندوستان سے انگریزوں کو زیادہ فائدہ نہیں پہنچا نہ ہی ہندوستان کی وجہ سے انگلستان میں دولت پھٹ پڑی ہے، جواب دیتے ہوئے مختلف زاویۂ نظر پیش کرتا ہے، جس کا لبِ لباب یہ ہے کہ ہندوستان سے انگریزوں کو جن فوائد کا سامنا ہے اس کا پلڑا، انگریزوں سے ہندوستان کو ہونے والے فائدے سے بھاری ہی نظر آتا ہے۔ اگرچہ اس کی باتوں جیسے ''میں گورنمنٹ کے حضور اپنا دل نذر کر چکا ہوں'' اور قلعے پر انگریزوں کی طرف سے پہلا گولا داغے جانے پر نوبل کو والہانہ مبارک باد دینا، اس کی انگریزوں سے مرعوبیت کا اظہار ہے، تاہم شارپ کے ساتھ اس کی ہونے والی پے در پے جھڑپوں میں اور حجۃ الاسلام سے لباس کے متعلق ہونے والی بحثوں میں ابن الوقت ایک خوددار اور باشعور کردار کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ اگر اس کے کردار کو ناقد کلیت میں دیکھتے، تو ان پر واضح ہو جاتا کہ اس میں کسی کا خاکہ اُڑانے کا سوال بے معنی ہے اور نہ ہی ثقہ نقادوں کو سرسید اور نذیر احمد کے قریبی تعلقات کی صفائیاں پیش کرنا پڑتیں۔

ناول کی تنقید کے ضمن میں اردو نقادوں کا ایک اور محبوب مفروضہ کرداروں کا زندہ یا جاندار ہونا ہے۔ ایک بات تو بہت واضح انداز میں سمجھ لینا ضروری ہے کہ زندگی کی تمام تر عکاسی کے باوجود ناول ایک ساختہ بیانیہ ہوتا ہے، جس کے کردار زندگی سے چاہے جتنے بھی مماثل ہوں وہ تخلیقِ فن کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ انہیں کسی صورت بھی زندگی کا متبادل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نقاد جب کرداروں کے جاندار ہونے کی بات کرتے ہیں تو وہ دراصل معمولی پن (Ordinariness) کی بات کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ کرداروں کے عوامی ہونے کا (جیسا وہ عام لوگوں کو سمجھتے ہیں یا جیسا زندگی میں لوگ ان کے تجربے کا حصہ بنتے ہیں) واویلا کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ کسی ناولانہ کردار کی انفرادیت اور غیر معمولی پن کو اس کا جامد پن، سپاٹ پن یا بے جان ہونا قرار دیتے ہیں۔ ناول نگار کو مفید مشورے دیتے ہوئے ان کے ذہن میں یہی بات گھوم رہی ہوتی ہے، کہ اگر اس شخص کو ہم تعمیر کرتے تو یہ کیسا ہوتا۔ وہ ناول کے کرداروں کو انسان کے متعلق اپنے ذاتی تصورات کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور اس معمولی یا عمومی (Common Sensical) تصورِ انسان پر جب ناول کے کردار پورا نہیں اُترتے تو نقاد کے عتاب کا آغاز ہوتا ہے، جو کبھی کردار کے یک رُخے پن کی دہائی دیتا ہے اور کبھی ناول کے نامکمل ہونے کے اعلان نامے جاری کرتا ہے۔

ابن الوقت پر لکھتے ہوئے بھی نقادوں نے اسے نامکمل ناول قرار دیا ہے، جبکہ ایک بزرگ نے تو اس کے آخری سو صفحات کو زائد گردانتے ہوئے، ان کے خارج کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے: ''اگر اس کتاب میں سے آدھے سے زیادہ حصہ خارج کر دیا جائے تو یہ ناول زیادہ دلچسپ بن سکتا ہے۔'' [۲۲] کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ یہ نیک کام خود اپنے دستِ مبارک سے انجام دیتے اور ہمیں بھی ''دلچسپ

ابن الوقت'' کے مطالعے کا موقع مل جاتا۔

ایسی تنقید دراصل ناول یا وسیع معنوں میں کہیں تو فکشن کی مبادیات سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ دوسری تحدید اس تنقید کی یہ ہے کہ نقاد اپنی ذاتی شخصیت اور بعض اوقات ذاتی تجربے یا مطالعے سے باہر جا کر فن پارے کو دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ حیران ہوتا ہے کہ جیسے اس کے خیال میں زندگی کو دیکھنا چاہیے تھا، ناول نگار ویسے کیوں نہیں دیکھ پایا۔ ناول نگار بنیادی طور پر کسی کردار کی تشکیل کے دوران انتخاب کے عمل سے گزرتا ہے۔ وہ کردار کی ایک مخصوص صورت ابھارنے کے لیے، یا اس کی زندگی کا کوئی مخصوص تصور نمایاں کرنے کے لیے، مخصوص واقعات اور مکالموں کو اپنے ناول میں جگہ دیتا ہے۔ یہی اس کی فن کاری ہوتی ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اس فن کاری میں وہ کس حد تک کامیاب ہو پایا ہے۔ مثلاً نصوح کا کردار، جس پر نقاد یک رُخے ہونے کا الزام لگاتے ہیں، ایسی ہی فن کاری کا نمونہ ہے۔ نصوح کی اپنی منطق ہے اور جو فرد، کام یا معاملہ اس کی منطق پر پورا نہیں اُترتا وہ اسے بدلنے یا ختم کر دینے کے انتہائی جذبے سے سرشار دکھائی دیتا ہے۔ اب اگر کسی کے مشاہدے میں ایسا کوئی کردار نہیں آیا تو اس کا قطعاً مطلب نہیں کہ ایسا کردار ہونا ممکن نہیں۔ اس بات سے قطع نظر ناول سے زندگی کا مطالبہ بے جا بھی ہے اور اس کی فطرت سے ناواقفیت کا نتیجہ بھی۔

کردار کی کوئی خاص شخصیت نمایاں کرنے کے لیے یا اس کے حاوی رجحان کی صورت گری کے لیے مصنف ناول میں مخصوص واقعات اور کردار کی زبانی تصورات کا ایک انتخاب پیش کرتا ہے۔ اس انتخاب سے بننے والا کردار ایک فنی تخلیق ہوتا ہے۔ اس تخلیق کو مصنف کے ذاتی خیالات کا چربہ سمجھنا بھی ایک اور مفروضہ ہے، جس سے ہماری ناول کی تنقید بھری پڑی ہے، جو خواہش زدہ اور بعض اوقات طے شدہ تصورات کو ثبوت بہم پہنچانے کے لیے فن پارے کا محض سہارا لیتی ہے۔ مثلاً نقاد نذیر احمد پر لکھنے سے پہلے یہ طے کر بیٹھتا ہے کہ ان کا تعلق علی گڑھ تحریک سے ہے، ان کی ابتدائی تربیت مولویوں کے زیر اثر ہوئی اور انہوں نے انگریزوں کی ملازمت اختیار کیے رکھی۔ ابن الوقت پر ہونے والی بیشتر تنقید اس کے تمام واقعات اور مسائل کی تعبیر انہی معلومات کی روشنی میں کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اگر پہلے سے ہی طے کر لیا جائے کہ نذیر احمد مولوی ہیں یا انہوں نے مقصدی ناول یا فاروقی صاحب کے لفظوں میں تمثیلی قصے لکھے ہیں تو ان کے فن سے نہ تو انصاف ممکن ہے، نہ پہلے سے بنی بنائی آرا میں کسی اضافے یا اختلاف کی گنجائش رہ جاتی ہے، بلکہ پورا مضمون چبائی ہڈیوں کو چچوڑنے کا عمل بن کر رہ جاتا ہے۔

اگر نذیر احمد کرداروں کو اپنے مقصد کے تابع رکھتے اور کردار ان کی شخصیت کا چربہ ہوتے، تو ان کے تمام ناول ایک ہی جیسی کرداری خصوصیات کے حامل ہوتے۔ نذیر احمد کے ناولوں کی دُنیا میں اصغری اور اکبری کے علاوہ نصوح، کلیم، ظاہر دار بیگ، ابن الوقت اور حجۃ الاسلام ایسے کتنے ہی کردار ہیں جن کی شاید ہی کوئی خاصیت دوسرے سے ملتی ہو اور جنہیں با آسانی ایک دوسرے سے الگ الگ پہچانا جا سکتا ہے۔ کرداروں کا یہ تنوع ان کے تخلیقی ذہن کا نتیجہ ہے مقصدی انا کا نہیں۔

ابن الوقت پر اُردو تنقید کا ایک اور پسندیدہ مفروضہ مشرقی یا قومی تہذیب کا ہے۔ عبدالسلام صاحب نے لکھا ہے کہ نذیر احمد ''مشرق اور مغرب کا تصادم پیش کر کے مسلمانوں میں ایک متوازن مذہبی اور مصالحانہ زندگی پیدا کرنا چاہتے تھے۔''(۲۳) زینت بشیر نے اس ناول کو نذیر احمد کی مغربی تہذیب و تمدن کے سیلاب بلا کو روکنے کی کوشش قرار دیا۔(۲۴) ''مولوی نذیر احمد کے ناولوں میں اسلامی معاشرت'' کی مقالہ نگار کا کہنا ہے کہ نذیر احمد نے اس ناول میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ مذہب اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور مذہب کے

ساتھ اسلامی معاشرت بھی اس کے لیے اس قدر ضروری ہے، جس طرح زندگی بسر کرنے کے دوسرے لوازم۔ کیوں کہ ایک مسلمان غیروں کی معاشرت اختیار کر کے نہ تو اپنے معاشرے میں پُر امن زندگی گزار سکتا ہے، نہ غیروں کی نظر میں مستحسن بن سکتا ہے۔(۲۵) مجنوں گورکھ پوری صاحب کے بقول ''نذیر احمد کے ناول مستقل تنبیہ ہوتے ہیں مغربی معاشرت کی کورانہ تقلید کے خلاف''۔(۲۶) افتخار صدیقی صاحب کے مطابق نذیر احمد بھی سرسید کی طرح قوم کی اصلاح چاہتے تھے، مگر ان کے قلبِ ماہیت کے تصور کے برعکس وہ ''قومی خودی اور قومی کردار کو برقرار رکھتے ہوئے ایک جائز حد کے اندر اصلاح چاہتے تھے''۔(۲۷)

یہ تمام آرا حد سے بڑھی ہوئی عمومیت کا شکار ہیں۔ ابن الوقت کو ہندوستانی مسلمانوں کا نمائندہ قرار دینا اس کے کردار کو ضرورت سے زیادہ سادہ (Over Simplify) کر کے دیکھنا ہے، اس کے علاوہ دہلی کے ایک رہائشی کو مشرق کا نمائندہ قرار دے دینا، اس سے بڑا ظلم ہے۔ اس طرح کی لاف زنی دیگر زبانوں میں ملتی ہے یا نہیں، اس بارے کوئی رائے دینے سے معذور ہوں، البتہ اُردو میں تو یہ بہت عام ہے۔ ذرا سی بات کو عالمِ اسلام اور مشرق تک پھیلا دینا اُردو نقاد کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اسے اتنی سی بات بھی یاد نہیں رہتی کہ برِ عظیم میں مشرق نہیں، مشرق میں چین، جاپان، وسطی ایشیا، جنوب مشرقی ایشیا، عرب دنیا اور افریقہ بھی شامل ہیں۔ عمومیت ایک ایسی کمزوری ہے جو کاہلی سے پیدا ہوتی ہے، مگر اس کے مضمرات بہت گہرے ہوتے ہیں۔ ابن الوقت ایک شہری مسلمان ہے۔ اس کا مسئلہ ہندوستان کے متنوع اور مختلف الپیشہ مسلمانوں کا مسئلہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ بنیادی طور پر ملازمت پیشہ شہری اشرافیہ کا مسئلہ تھا، جسے ناقدین قومی اور بعض اوقات مشرقی تہذیب کا مسئلہ قرار دے دیتے ہیں۔ مشرق کے تصور کو بھی ہم نے ایسا لیبل سمجھ رکھا ہے جو کسی نکرہ شے کو معرفہ میں بدلنے کا آسان حربہ ہے، جیسے اب مقبولیت کے لیے ہمارے ہاں کسی مظہر کے ساتھ اسلام لگا لینا فیشن بن گیا ہے، اسلامی شاعری، اسلامی لباس، اسلامی فلمیں، گویا اسلام ایک اسم صفت ہے، جس کو سامنے لاتے ہی نئی معنویت پیدا ہو جاتی ہے۔ ابن الوقت کے مسائل کو مشرقی قرار دینا مشرق کا ایک نیا تصور قائم کرنا ہے، جس میں صرف شہری مسلمان شامل ہیں اور وہ بھی ایک مخصوص زبان اور ثقافت کے حامل۔ اس تحدید سے برِ عظیم کے ایسے تمام افراد جن کا تعلق دیگر مذاہب، ثقافتوں یا لسانی گروہوں (جیسے ہندومت، بدھ مت، سکھ مت اور وادیِ سندھ، جنوبی ہندوستان اور بنگال وغیرہ) سے ہے، وہ مشرق سے ٹاٹ باہر کر دیے جاتے ہیں۔ اسے مشرق کی بجائے اردو دنیا (Urdu Public Sphere) کہنا زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

جہاں تک قومی خودی یا خودداری کا سوال ہے تو ابن الوقت کے معاملے میں نقادوں نے اس ناول میں پیش کیے گئے کردار مسائل اور موضوع کے عین برعکس نتائج نکالے ہیں۔ حجۃ الاسلام جو ابن الوقت سے نئی وضع چھڑوانا چاہتا ہے، وہ کہیں بھی قومی خودی یا اپنی تہذیب کی بڑائی بیان نہیں کرتا، نہ وہ انگریزی وضع کی مذمت کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کا مسئلہ سیدھا سادھا ہے۔ وہ ابن الوقت سے بحث کے دوران یہ دلیل لاتا ہے کہ انگریزی لباس انگریزی حاکموں کی برابری کرنے کی ایک کوشش ہے، جس سے سلطنت کے قیام کو ضعف کا خطرہ لاحق ہے۔ اس لیے انگریزوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایسی تمام کوششوں کو، جن سے سلطنت کو نقصان پہنچتا ہو، ختم کرنے کے اقدامات کریں۔ ابن الوقت سے کہیں بھی وہ ہندوستانی ثقافت کا واسطہ نہیں دیتا، نہ اس کی قومی خودی کو ہوا دینے کی کوشش کرتا ہے، بلکہ اگر زیادہ واضح لفظوں میں کہا جائے تو اس کی منطق یہ ہے کہ محکوم کو حاکم بننا زیب نہیں دیتا اور یہی اس کے نزدیک ابن الوقت کے تمام مسائل کی وجہ ہے۔ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

''اگر انگریزوں کو اس ملک پر حکمرانی کا استحقاق ہے تو ضرور اس بات کا بھی استحقاق ہے کہ جو چیزیں ضعفِ حکومت کی طرف

منجر ہوں، اس کا انسداد کریں اور تمہارا طرزِ لباس اور طرزِ تمدن ان چیزوں میں ہے جن سے ضعف کا اندیشہ ہے۔“[۲۸]

حجۃ الاسلام، ابن الوقت کے اپنی نئی وضع اور انگریزوں سے برابری کے حق میں پیش کیے گئے دلائل پر تبصرہ کرتے ہوئے رائے دیتا ہے کہ انگلستان کے عوام اور ہندوستانی عوام میں فرق ہے۔ اس لیے انہیں ویسے حقوق بھی نہیں دیے جا سکتے۔ اس کے علاوہ اسے ہر پہلو سے انگریزی عمل داری رحمتِ الٰہی معلوم ہوتی ہے۔ اب حجۃ الاسلام کے اس نقطۂ نظر کے بعد اشفاق محمد خان صاحب کا یہ کہنا کہ اس ناول میں مشرق اور مغرب کی تہذیبوں کا موازنہ کیا گیا ہے اور انگریزی کی اندھی تقلید پر طنز کیا گیا ہے[۲۹] ، سمجھ سے بالاتر ہے۔ ابن الوقت مشرق کے مساوی ہے نہ محض دو چار انگریزوں کو مغرب قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ناول میں موازنے کی کوئی صورت بظاہر نظر نہیں آتی۔

ابن الوقت پر کی گئی تنقید کا بیشتر حصہ سرسید اور علی گڑھ تحریک سے متعلق رہا ہے۔ اس تنقید نے ناول کا بطور فن جائزہ لینے کی کوشش کم کم ہی کی ہے۔ جہاں کردار نگاری پر بات کی ہے وہاں بھی ناقد کرداروں کو نذیر احمد کا چربہ قرار دیتے ہوئے ان کے تصورات کا جواب نذیر احمد سے لینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ تاریخی واقعات کی تعبیر میں بھی کسی گہرے تاریخی شعور کی خبر نہیں ملتی، استعماریت کا اس صورتِ حال سے تعلق ان تحریروں کا موضوع بنتا ہے، نہ اس کی حکمتِ عملیاں کہیں تجزیے کا موضوع قرار پاتی ہیں۔ ناقدین اگر ناول کے جائزے کے دوران حجۃ الاسلام کی گفت گو اور اس کے طرزِ عمل کو نذیر احمد کے طنزیہ اسلوب میں دیکھتے تو پھر نتائج یکسر مختلف ہوتے۔ جس کی ایک صورت یہ ہے کہ حجۃ الاسلام کا انگریزی حکومت کو ضعف سے بچانے کی کوششیں کرنا؛ اس کے افسر کا اس کے بارے رائے دینا، کہ اگر وہ غدر کے دوران ہندوستان میں ہوتا، تو ابن الوقت سے بڑھ کر انگریزوں کی مدد کرتا اور حجۃ الاسلام کا مصلحت پسندانہ رویہ جس میں مذہبی شعائر کی پابندی کرتے ہوئے، انگریزی عملداری کا بہترین کل پرزہ بن جانا وغیرہ شامل ہیں، ان سب رویوں کو ناول نگار نے طنزاً پیش کیا ہے، تو نہ نذیر احمد کو مطعون کرنے کی ضرورت درپیش ہوتی، نہ سرسید احمد خان اور نذیر احمد کے قریبی تعلقات کی مثالوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر لانا پڑتا۔ ابن الوقت کا تجزیہ کرتے ہوئے لمبی تقریروں کو دیکھ کر دور سے سلام کرنے کی بجائے اس کے متن کا جائزہ، نہ صرف ابن الوقت کے ذہن کو سمجھنا ممکن بنا دیتا ہے، بلکہ نذیر احمد کی کردار نگاری کے اسرار بھی کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔ ابن الوقت اپنی نوعیت میں ناول ہے۔ اس لیے اس پر تنقید کرتے ہوئے اسے ناول کے فنی معیارات پر پرکھنا ہوگا۔ ناول کی تنقید میں مصنف یا اس کے خیالات سے زیادہ اہم، ناول میں کرداروں اور خیالات کی پیش کش اور اس پیش کش کو فطری بنانے کے لیے مصنف کی طرف سے کی گئی فنی کوششیں اور حربے ہوتے ہیں۔ اس ناول پر کی گئی بیشتر اردو تنقید نے اس کے فن سے زیادہ مصنف اور اس کے معاصرین سے تعلقات کو پیش نظر رکھا ہے۔ ایسی تنقید غیر ضروری مباحث کا ایسا پلندہ ہوتی ہے جو تاریخی مسائل پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہوئے، کبھی مصنف پر الزام اور کبھی ان الزامات کا جواب دینے کی سعیِ رائیگاں میں مبتلا دکھائی دیتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر قمر رئیس، پریم چند کی ناول نگاری، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، س ن)، ۱۲۱

۲۔ بہ حوالہ سید عبداللہ، سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقا کی اُردو نثر کا فنی و فکری جائزہ (لاہور: مکتبۂ کارواں، ۱۹۶۰ء)، ۲۱۷

۳۔ ڈاکٹر لطیف حسین ادیب، رتن ناتھ سرشار کی ناول نگاری، (کراچی: انجمن ترقیِ اُردو، ۱۹۶۱ء)، ۱۰۱

۴۔ ڈاکٹر قمر رئیس، ۱۲۱

۵۔ ڈاکٹر سہیل بخاری، اُردو ناول نگاری، (لاہور: مکتبۂ جدید، ۱۹۶۰ء)، ۵۰

۶۔ پروفیسر عبدالسلام، تخلیق وتنقید، بارسوئم (کراچی: اُردو اکادمی سندھ، ۱۹۶۷ء)، ۱۳

۷۔ افتخار احمد صدیقی، مولوی نذیر احمد: احوال وآثار، (لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۷۱ء)، ۳۸۶

۸۔ علی عباس حسینی، ناول اور ناول نگار، تلخیص، تہذیب، تعارف ڈاکٹر اسلم عزیز درانی، (ملتان: کاروانِ ادب، ۱۹۹۰ء)، ۲۔۱۷

۹۔ فوزیہ مقبول، ''اُردو میں سوانحی ناول''، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے اُردو، لاہور: مملوکہ لائبریری اوری اینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء

۱۰۔ افتخار احمد صدیقی، ''مولوی نذیر احمد'' مشمولہ: تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند، نویں جلد، مدیران: سید فیاض محمود، عبادت بریلوی، (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء)، ۹۔۳۴۷

۱۱۔ پروفیسر عبدالسلام، ۲۱۔۱۹

۱۲۔ ڈاکٹر سلیم اختر، ''نذیر احمد کا ایک نمائندہ ناول: ابن الوقت'' مشمولہ مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد، ڈپٹی نذیر احمد، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ۷۔۳۴

۱۳۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ، اضافہ شدہ ایڈیشن (لاہور: سندھ ساگر اکادمی، ۱۹۶۸ء)، ۵۹

۱۴۔ انیس ناگی، نذیر احمد کی ناول نگاری، دوسرا ایڈیشن (لاہور: مکتبہ جمالیات، ۱۹۸۱ء (۱۹۶۶ء))، ۵۰۔۳۶

۱۵۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخ اُردو، (کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۸ء (۱۹۶۱ء))، ۵۸۵

۱۶۔ Dr. M. Sadiq, A History of Urdu Literature, (Karachi: Oxford University Press, 1995),410

۱۷۔ مجنوں گورکھ پوری، بہ حوالہ افتخار احمد صدیقی، ۱۹۷۱ء، ۳۹۱

۱۸۔ سید عبداللہ، ۲۱۶

۱۹۔ انیس ناگی، ۳۷

۲۰۔ M. Zakir, Translator, Son of Moment, Nazir Ahmad, (New Delhi: Orient Longman, 2002),XVIII

۲۱۔ انیس ناگی، ۴۵

۲۲۔ پروفیسر عبدالسلام، ۱۴

۲۳۔ ایضاً، ۱۳

۲۴۔ زینت بشیر، نذیر احمد کے ناولوں میں نسوانی کردار، (حیدرآباد: اعجاز پرنٹنگ، ۱۹۹۱ء)، ۳۵۷

۲۵۔ ناصرہ خانم، ''مولوی نذیر احمد کے ناولوں میں اسلامی معاشرت'' غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے اُردو، لاہور: مملوکہ لائبریری

اوری اینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی،۱۴۵

۲۶۔ بہ حوالہ افتخار احمد صدیقی،۳۹۱

۲۷۔ ایضاً،۳۹۰

۲۸۔ نذیر احمد، ابن الوقت، مرتبہ سبطِ حسن، (لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب،۱۹۹۰ء(۱۸۸۸ء))،۳۳۲

۲۹۔ ڈاکٹر اشفاق محمد خان، نذیر احمد کے ناول: تنقیدی مطالعہ، (لکھنؤ: اتر پردیش اُردو اکادمی،۲۰۰۷ء)،۷۶